39

جلسہ سالانہ پر آنے والے احباب کو ضروری ہدایات

(فرمودہ 26 دسمبر 1941ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

" آجکل کے ایام سخت ابتلاؤں اور تکلیفوں کے دن ہیں۔ ایک خطرناک جنگ دنیا کے پردہ پر لڑی جا رہی ہے اور ہزارہا آدمی جن کی ماؤں نے نو مہینے تکلیف اٹھا کر ان کو بڑی بڑی امیدوں کے ساتھ جنا تھا روزانہ سیکنڈوں اور منٹوں میں ہلاک کئے جا رہے ہیں۔ وہ زمین جسے خدا تعالیٰ نے انسان کے بسنے اور بڑھنے کے لئے بنایا تھا وہ اب بھاگنے اور قتل ہونے کی جگہ بن گئی ہے اور وہ سمندر جس کو خدا تعالیٰ نے اس لئے بنایا تھا کہ اس کی مچھلیوں کو انسان کھائے اور انہیں اپنی خوراک بنائے آج انسان اس کی مچھلیوں کی خوراک بن رہے ہیں۔ غرض انسانی گناہوں نے خدا تعالیٰ کی غیرت کو بھڑکا کر آج دنیا کا نقشہ بالکل بدل ڈالا ہے۔ ان حالات میں جتنی بھی انسان خدا تعالیٰ کی طرف توجہ کرے کم ہے۔ مگر یہ توجہ بھی خدا تعالیٰ کی توفیق سے ہی میسّر آتی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں سورۃ فاتحہ میں اس امر کی طرف توجہ دلائی ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ 1 یعنی تم یہ کہو کہ اے ہمارے خدا ہم تیری عبادت کرتے ہیں۔ مگر ہماری یہ عبادت کامل نہیں ہو سکتی، نہ ہماری محبت تجھ سے کامل ہو سکتی ہے، نہ شرائطِ عبادت ہمیں کامل طور پر میسّر آ سکتے ہیں اور نہ عبادت کے لئے ہم اپنا وقت صَرف کر سکتے ہیں جب تک تیری مدد اور تیری نصرت ہمارے شاملِ حال نہ ہو۔ تُو ہمیں عبادت کی شرائط پورا کرنے کی توفیق دے

تو ہم عبادت کر سکتے ہیں، تُو ہمیں عبادت کے لئے اپنا وقت صَرف کرنے کی توفیق دے تو ہم عبادت کر سکتے ہیں، تُو ہمارے دل میں اپنی عبادت کا جوش پیدا کرے تو ہم عبادت کر سکتے ہیں۔ ہم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم اپنی ذاتی جد و جہد سے تیری کامل عبادت کر سکیں۔ پس ہم ایک ٹوٹی پھوٹی چیز تیرے سامنے پیش کرتے ہیں، اپنی کمزوریوں کے لحاظ سے اور اپنی مجبوریوں کے لحاظ سے اور اپنی کم فہمی کے لحاظ سے۔ اگر تُو اس کو اچھا دیکھنا چاہتا ہے، اگر تُو اس کو خوبصورت دیکھنا چاہتا ہے اگر تُو ہماری عبادت کو کامل دیکھنا چاہتا ہے تو ہم سے تو ایسی ہی بن سکتی تھی باقی کام تُو خود اپنے فضل سے سر انجام دے دے۔

پس اس آیت میں بنی نوع انسان کو اس امر کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ گو خدا نے تم کو نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے، گو خدا نے تم کو روزے رکھنے کا حکم دیا ہے، گو خدا نے تم کو حج کرنے کا حکم دیا ہے، گو خدا نے تم کو صدقہ و خیرات کرنے کا حکم دیا ہے مگر یہ حکم اکیلے تم سے نبھنے کے نہیں۔ یہ حکم تو ایسے ہی ہیں جیسے بعض دفعہ ماں باپ اپنے چھوٹے بچے سے کہہ دیتے ہیں کہ یہ کرسی یہاں سے اٹھاؤ یا اس میز کو اٹھا کر فلاں جگہ رکھ دو۔ وہ اپنے بچے کو یہ حکم اس لئے نہیں دیتے کہ وہ جانتے ہیں ان کا بچہ میز اٹھا سکتا ہے یا کرسی اٹھا سکتا ہے بلکہ وہ اپنے بچے کو میز یا کرسی اٹھانے کا حکم اس لئے دیتے ہیں کہ وہ اس سے ناز کرتے یا ناز کروانا چاہتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ جب بچہ میز یا کرسی کو ہاتھ لگائے گا اور وہ اس سے اٹھائی نہیں جا سکے گی تو وہ کہے گا کہ اماں میز مجھ سے اٹھایا نہیں جاتا تم اٹھا دو یا کرسی مجھ سے اٹھائی نہیں جاتی تم اٹھا دو۔ یہی حال عبادت کا ہے۔ بندہ عبادت کر ہی نہیں سکتا مگر اللہ تعالیٰ یہ کام اس کے سپرد کرتا ہے کیونکہ وہ اپنے بندہ سے پیار کرنا چاہتا ہے مگر جہاں بچے اپنی فطرت کے مطابق کام کرتے ہیں وہاں بڑے انسان بسا اوقات اپنی فطرتیں مار بیٹھتے ہیں اور عجیب عجیب قسم کے خیالات میں مبتلا ہو کر جو سیدھی سادی بات ہوتی ہے اسے بھول جاتے ہیں۔

انگلستان کا ایک مشہور تماشہ دکھانے والا شخص ہے اس کی ایک کتاب مَیں نے پڑھی اور مَیں نے اس میں ایک عجیب بات دیکھی۔ وہ لکھتا ہے کہ بڑے بڑے آدمیوں کے سامنے خواہ وہ پروفیسر ہوں یا ڈاکٹر، انجینئر ہوں یا مصنف، ایڈیٹر ہوں یا سیاست دان کبھی تماشہ دکھاتے وقت مجھے گھبراہٹ نہیں ہوتی۔ مگر جب بچوں کے سامنے مَیں تماشا دکھانے لگتا ہوں تو گھبرا جاتا ہوں اس لئے کہ وہ وہی بات دیکھتے ہیں جو واقع میں ہوتی ہے۔ مگر انجینئر اور سیاستدان اور ایڈیٹر اور پروفیسر میری سیدھی سادی بات کی عجیب و غریب توجیہات کرنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ وہ بات معمولی ہتھکنڈے کی ہوتی ہے لیکن بچے کا خیال ادھر اُدھر جاتا ہی نہیں وہ فوراً اصل حقیقت کو پہچان لیتا ہے اور اس طرح بھانڈا پھوٹ جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ بچے اپنی فطرت کو بھولے نہیں ہوتے۔ بچے کو جب اس کی ماں کہتی ہے کہ میز اٹھاؤ تو اس بچے کی فطرت فوراً سمجھ جاتی ہے کہ ماں چاہتی ہے مَیں یہ کہوں کہ میز مجھ سے اٹھایا نہیں جاتا۔ چنانچہ وہ میز پر ہاتھ رکھتے ہی کہہ دیتا ہے کہ اماں مجھ سے میز نہیں اٹھایا جاتا اور ماں دوڑ کر آتی اور میز کو اٹھا لیتی ہے۔ مگر چونکہ بڑے آدمی اپنی فطرت کو بھول جاتے ہیں اس لئے خدا تعالیٰ کو اِيَّاكَ نَعْبُدُ کے بعد اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ بھی کہنا پڑا۔ اگر انسانی فطرت گرد و پیش کے حالات کی وجہ سے مسخ نہ ہو چکی ہوتی اور وہ بالکل پاک ہوتی تو اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کہنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ لوگ آپ ہی سمجھ جاتے کہ اللہ میاں نے عبادت کا حکم ہمیں کیوں دیا ہے مگر چونکہ انسان عادات کی خرابی کی وجہ سے، نفسانی خواہشات کی ملونی کی وجہ سے اور غلط علم پڑھنے کی وجہ سے اپنی فطرت کا اصل حُسن کھو بیٹھتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ کو اِيَّاكَ نَعْبُدُ کے ساتھ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کہنے کی ضرورت پڑی۔ جس طرح بچہ جب میز اٹھانے لگتا ہے تو کہتا ہے اماں مجھ سے میز نہیں اٹھایا جاتا اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کہہ کر یہ ہدایت دی ہے کہ جب تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے لگو تو ساتھ ہی کہا کرو کہ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ۔ اللہ میاں یہ عبادت ہم سے اٹھائی نہیں جاتی آپ ہماری مدد کریں تب

خدا تمہاری مدد کرے گا اور تب تمہاری عبادت حقیقی عبادت کہلا سکے گی۔

غرض اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بغیر عبادت بھی صحیح طور پر سر انجام نہیں دی جا سکتی کُجا یہ کہ اَور امور میں انسان کو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق کے بغیر ہی کامیابی حاصل ہو جائے۔ پس ان ایام میں اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرنی چاہیئے اور اس توجہ کے پیدا ہونے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ سے ہی دعا کرنی چاہیئے کہ یا اللہ ہمارے دلوں کو اس توجہ کے لئے کھول دے ورنہ بسا اوقات انسان ارادہ کرتا ہے مگر اسے پورا نہیں کر سکتا۔

پھر یہ دن اس لحاظ سے بھی خاص طور پر دعائیں کرنے کے ہیں کہ اس سال ہمارے ہزاروں بھائی جلسہ سالانہ میں شریک نہیں ہو سکے بوجہ اس کے کہ وہ جنگ پر چلے گئے ہیں یابوجہ اس کے کہ جنگ کی وجہ سے انہیں چُھٹیاں نہیں ملیں۔ چنانچہ کئی دوستوں کی طرف سے تاریں آ رہی ہیں جن میں اس امر پر افسوس کا اظہار ہوتا ہے کہ وہ جلسہ میں شریک نہیں ہو سکے اور جو دوست یہاں آئے ہیں ان میں سے بھی ایک خاصی تعداد مجھے ایسے لوگوں کی معلوم ہوئی ہے جن کی چھٹی نہایت قلیل ہے۔ چنانچہ کسی کو صرف ایک دن کی چھٹی ملی ہے ، کسی کو دو دن کی چھٹی ملی ہے، کسی کی 27 کو حاضری ہے اور کسی کی 28 کو اور بعض لوگوں کی طرف سے یہ اطلاع بھی پہنچی ہے کہ وہ 26 کو نہیں آ سکیں گے، شاید 27 کو آ سکیں۔ تو جنگ کی وجہ سے ہمارے اس تبلیغی اجتماع پر بھی اثر پڑا ہے اور یہ بھی ایک ایسی چیز ہے جس کی وجہ سے ہمیں خاص طور پر خدا تعالیٰ کی طرف توجہ کرنی چاہیئے اور دعائیں کرنی چاہئیں کہ اللہ تعالیٰ اس جنگ کو جلد ختم کرے تاکہ ہماری جماعت حسبِ معمول زیادہ جوش اور زیادہ شوق کے ساتھ دین کی خدمت کر سکے۔

پھر یہ دن جلسہ سالانہ کے مبارک ایام ہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام نے فرمایا ہے کہ اس جلسہ کی بنیاد خود خدا نے رکھی ہے اور جس چیز کی بنیاد خدا نے رکھی ہو تم سمجھ سکتے ہو کہ وہ کتنی مبارک ہو گی۔ پھر ایک اَور مقام پر حضرت مسیح موعود

علیہ الصلوٰۃ و السلام نے لکھا ہے کہ تکلیف اٹھا کر اور اپنے کاموں کا حرج کر کے بھی دوستوں کو اس جلسہ میں پہنچنا چاہئے۔ پس جلسہ سالانہ کے یہ ایام اپنے اندر بہت بڑی برکات رکھتے ہیں۔ پھر اس دفعہ کے جلسہ کو تو اللہ تعالیٰ نے ایک عجیب خصوصیت دے دی ہے جیسے مسلمانوں میں حج کے متعلق یہ خیال پایا جاتا ہے کہ جب جمعہ کو حج آئے تو وہ بڑی برکت والا ہوتا ہے۔ چنانچہ جب کسی سال لوگوں کو معلوم ہو کہ جمعہ کو حج ہو گا تو بڑی کثرت سے لوگ حج کرنے کے لئے جاتے ہیں اور اسے اپنے لئے بہت بڑی برکات کا موجب سمجھتے ہیں۔ اسی طرح ہمارا یہ جلسہ اپنے اندر یہ خصوصیت رکھتا ہے کہ یہ سارے کا سارا ہمارے لئے عید بن گیا ہے۔ چنانچہ اس جلسہ کے پہلے دن جمعہ کی عید ہے، دوسرا دن حج کے تسلسل میں آ جاتا ہے۔ چنانچہ کل سے حاجی حج کی تیاریاں شروع کر دیں گے اور پرسوں حج ہو جائے گا۔ اس کے بعد اترسوں پھر عید آ جائے گی۔ گویا یہ سارے ایام جمعہ اور حج میں ہی گزریں گے۔ پھر اس کے ایک طرف جمعہ کی عید ہے، دوسری طرف عید الاضحیہ ہے اور درمیان میں جلسہ سالانہ کی عید ہے جو اس لحاظ سے بھی ہمارے لئے عید ہے کہ وہ دن حج کے ہیں۔ پس یہ جلسہ اپنی برکات کے لحاظ سے بہت بڑی خصوصیت رکھتا ہے اور مَیں سمجھتا ہوں جو لوگ اس جلسہ سے پوری طرح فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں گے وہ بہت سی روحانی برکات حاصل کر کے لوٹیں گے۔ اسی طرح جسمانی برکات بھی انہیں حاصل ہوں گی کیونکہ جسمانی برکات روحانی برکات کے تابع ہوتی ہیں۔

غرض جو لوگ اس جلسہ پر آئے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ نے یہ ایک بہت بڑی نعمت بخشی ہے اور اس جلسہ کا ہر دن قبولیت دعا کے ساتھ نہایت گہرا تعلق رکھنے والا ہے۔ پھر جلسہ کے معاً بعد عید آ جائے گی اور یہ عید قربانیوں کی عید ہو گی جس کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی قربانیوں کو قبول کر لیا اور چونکہ یہ عید ہمارے جلسہ سالانہ کے ساتھ آئے گی اس لئے اس عید کے ایک معنی یہ بھی ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے جلسہ کو قبول کر لیا۔ پس ان دنوں میں

جماعت کو خاص طور پر دعائیں کرنی چاہئیں۔ مجھے افسوس ہے کہ آج صبح جب مَیں یہاں سے دعا کر کے واپس گیا تو کثرت سے گلیاں جماعت کے دوستوں سے بھری ہوئی تھیں جس کے معنی یہ ہیں کہ دعا میں بھی بعض دوست شامل نہیں ہوئے۔ پھر مجھے یہ بات معلوم کر کے اور بھی افسوس ہوا کہ باوجود اس بات کے کہ مَیں نے خاص طور پر توجہ دلائی تھی کہ دوستوں کو تمام تقریریں سننی چاہئیں دعا کے بعد بعض اَور لوگ بھی جلسہ گاہ میں سے اٹھ کر چلے گئے۔ حالانکہ جو لوگ یہاں آتے ہیں ان کے آنے کی غرض یہ ہوتی ہے کہ وہ دین کی باتیں سنیں۔ بے شک بعض لوگوں کو قادیان آنے کے سال میں اور بھی کئی مواقع مل جاتے ہیں مگر بعض کو یہ موقع سال میں پھر کبھی میسر نہیں آتا۔ پھر کس قدر افسوس کی بات ہے کہ بعض لوگ ایسے قیمتی موقع کو بھی اپنی غفلت کی وجہ سے ضائع کر دیتے ہیں۔ دیکھو جس شخص کے دل میں اخلاص ہوتا ہے وہ کیسی قربانی کرتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے صرف تین سال پہلے ایمان لائے تھے۔ آپ نے دیکھا کہ اور لوگ بہت دیر سے اسلام قبول کر چکے ہیں، کوئی بیس سال سے اسلام میں داخل ہے، کوئی اٹھارہ سال سے اسلام میں داخل ہے، کوئی چودہ سال سے اسلام میں داخل ہے، کوئی دس سال سے اسلام میں داخل ہے۔ خدا نے ان کے دل میں چونکہ نیکی اور تقویٰ رکھا ہوا تھا اس لئے اسلام لانے کے بعد انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ اب مَیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ سے نہیں ہِلوں گا اور لوگ بہت باتیں سن چکے ہیں اور مَیں ان کے سننے سے محروم رہا ہوں۔ اب اس کی تلافی اسی طرح ہو سکتی ہے کہ مَیں یہاں سے ہلوں نہیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام باتیں اپنے کانوں سے سنتا رہوں۔ چنانچہ وہ دھرنا مار کر مسجد میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر بیٹھ گئے۔ جب بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لاتے حضرت ابو ہریرہؓ موجود ہوتے۔ بے شک کبھی اس وقت زید بھی ہوتا، کبھی بکر بھی ہوتا، کبھی خالد بھی ہوتا مگر اس زید بکر اور خالد کے ساتھ ابو ہریرہؓ ضرور ہوتے اور چونکہ وہ ہر وقت مسجد میں بیٹھے رہتے تھے اور کماتے کچھ نہیں تھے

اس لئے ان کے بھائی نے رسول کریم ﷺ کے پاس شکایت کی کہ ابو ہریرہ تمام کام چھوڑ چھاڑ کر مسجد میں بیٹھ گیا ہے کماتا کچھ نہیں۔ وہ کچھ دن تک تو ابو ہریرہؓ کو روٹی پہنچاتا رہا مگر آخر کب تک پہنچاتا۔ ایک طرف اس کا خرچ زیادہ ہو گیا اور دوسری طرف یوں بھی اس کی تکلیف بڑھ گئی کہ اسے خود ابو ہریرہؓ کو کھانا پہنچانا پڑتا تھا۔ چنانچہ اس نے رسول کریم ﷺ کے پاس شکایت کر دی۔ رسول کریم ﷺ نے اسے فرمایا دیکھو کبھی خدا کسی اَور کی وجہ سے انسان کو رزق دے دیتا ہے۔ تم یہ سمجھ لو کہ تمہیں خدا تعالیٰ جو کچھ رزق دے رہا ہے وہ ابو ہریرہ کی وجہ سے ہی دے رہا ہے۔2 مگر ہر شخص کو مقدرت نہیں ہوتی کہ وہ مسلسل کسی بوجھ کو برداشت کر سکے۔ آخر کچھ مدت کے بعد ان کے بھائی نے مدد سے ہاتھ کھینچ لیا اور ابو ہریرہؓ کو فاقے آنا شروع ہو گئے یہاں تک کہ بعض دفعہ سات سات وقت تک انہیں فاقہ برداشت کرنا پڑا۔ رسول کریم ﷺ کی وفات کے بعد جب مسلمانوں کو فتوحات حاصل ہوئیں تو چونکہ مسجد میں بیٹھے رہنے کی اب کوئی ضرورت نہیں تھی اس لئے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی مدینہ سے باہر گئے اور انہیں ایک جگہ کا گورنر مقرر کیا گیا۔ انہی ایام میں ایران کی فوجوں کو شکست ہوئی اور جو اموال کسریٰ شاہِ ایران کے مسلمانوں کے ہاتھ آئے ان میں ایک وہ رومال بھی تھا جو کسریٰ اپنے تخت پر بیٹھتے وقت استعمال کیا کرتا تھا۔ اموال کی جب تقسیم ہوئی تو وہ رومال حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آیا۔ اب بھلا ایک سیدھے سادے مسلمان کی نگاہ میں یہ چیز کیا حقیقت رکھ سکتی تھی۔ بے شک بادشاہ کے نزدیک وہ رومال بہت قیمتی تھا اور تبھی وہ تخت پر بیٹھتے وقت اسے استعمال کیا کرتا تھا مگر جب حضرت ابو ہریرہؓ کے پاس وہ رومال آیا تو اتفاقاً انہیں کھانسی ہوئی اور انہوں نے بلغم اس رومال میں پھینک دی پھر کہنے لگے بَخٍ بَخٍ ابو ھریرۃ یعنی واہ بھئی ابو ہریرہؓ، واہ بھئی ابو ہریرہؓ۔ لوگوں نے کہا ہم سمجھے نہیں کہ اس بات کے کہنے کا مطلب کیا ہے۔ انہوں نے کہا ایک زمانہ وہ ہوا کرتا تھا کہ رسول کریم ﷺ کی باتیں سننے کے شوق میں مَیں ہر وقت مسجد میں

بیٹھا رہتا تھا، کھانے کو کچھ ملتا تو کھا لیتا ورنہ بھوکا رہتا۔ اس طرح بعض دفعہ ایک وقت کا فاقہ گزرتا، بعض دفعہ دو وقت کا فاقہ گزرتا، بعض دفعہ تین وقت کا فاقہ گزرتا، بعض دفعہ چار وقت کا فاقہ گزرتا اور انتہاء یہ کہ بعض دفعہ سات سات وقت کا مجھے فاقہ ہو جاتا اور مَیں شدتِ ضعف کی وجہ سے بے ہوش ہو کر گر جاتا 3 مومن کی غیرت چونکہ سوال کو برداشت نہیں کرتی اس لئے حضرت ابو ہریرہؓ سوال نہیں کرتے تھے مگر جب بے ہوش ہو جاتے تو لوگ یہ سمجھتے کہ انہیں مرگی کا دَورہ ہو گیا ہے اور عربوں میں رواج تھا کہ جب کسی کو مرگی کا دورہ ہو جاتا تو اس کے سر پر جوتیاں مارا کرتے تھے۔ بعد میں غلطی سے اِسے مرگی کا علاج ہی سمجھ لیا گیا۔ مرگی والے کو جوتیاں مارنے کی اصل وجہ یہ تھی کہ اہلِ عرب یہ سمجھتے تھے کہ مرگی والے کے سر پر شیطان چڑھ جاتا ہے اور اس کا علاج یہ ہوتا ہے کہ اس کے سر پر جوتیاں ماری جائیں تاکہ شیطان بھاگ جائے۔ جیسے پرانے زمانہ میں جب کسی کو ہسٹیریا کے دَورے پڑتے تھے تو ملّاں اسے ڈنڈے مارا کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس طرح جنّ بھاگ جائے گا۔ مگر جنّ تو نہیں بھاگتا تھا اس کی روح بھاگ جایا کرتی تھی۔ اسی طرح عربوں کا خیال تھا کہ جسے مرگی کا دَورہ ہوتا ہے اس کے سر پر شیطان سوار ہوتا ہے اور علاج یہ ہوتا ہے کہ جوتیاں ماری جائیں تاکہ شیطان بھاگ جائے۔ تو حضرت ابو ہریرہؓ نے بتایا جب مَیں بے ہوش ہو جاتا تو لوگ میرے سر پر جوتیاں مارنے لگ جاتے تھے اور مجھ میں اتنی ہمت اور سکت نہیں ہوتی تھی کہ مَیں کچھ بولوں اور ان سے کہہ سکوں کہ مجھے مرگی نہیں ہے مجھے تو بھوک کی شدت کی وجہ سے ضعف ہے۔ اب کُجا تو وہ دن تھا کہ بھوک کے مارے مجھے غشیوں پر غشیاں آتی تھیں اور لوگ میرے سر پر جوتیاں مارا کرتے تھے اور کُجا یہ حالت ہے کہ وہ کسریٰ جو آدھی دنیا کا مالک تھا اس کا وہ رومال جو تخت پر بیٹھتے وقت وہ استعمال کیا کرتا تھا آج ابو ہریرہؓ کے قبضہ میں ہے اور وہ اس میں اپنی بلغم پھینک رہا ہے۔

تو دیکھو ابو ہریرہؓ نے کس طرح اللہ تعالیٰ کے رسول کی باتیں سننے کے لئے

تین سال تک اپنے اوپر فاقے برداشت کئے۔ سات فاقوں کے معنے یہ ہیں کہ قریباً جلسہ کے تمام ایام وہ فاقہ سے رہتے تھے۔ مثلاً 26 کی صبح کا فاقہ ایک، 26 کی شام کا فاقہ دو، 27 کی صبح کا فاقہ تیسرا اور 27 کی شام کا فاقہ چوتھا، 28 کی صبح کا فاقہ پانچواں اور 28 کی شام کا فاقہ چھٹا اور ابھی ایک فاقہ باقی رہتا ہے۔ گویا اگر جلسہ سالانہ کے ان ایام میں آپ لوگوں کے لئے کھانے کا کوئی انتظام نہ ہوتا، پانی کا کوئی انتظام نہ ہوتا اور آپ دین کی باتیں سننے کے لئے بیٹھے رہتے تو کہا جا سکتا تھا کہ ابو ہریرہؓ کی روح آپ میں سرایت کر گئی ہے مگر پھر بھی آپ ابو ہریرہؓ سے دوسرے نمبر پر ہی رہتے کیونکہ آپ لوگوں کو ایک فاقہ کم کرنا پڑتا۔ پس ان ایام کو ضائع مت کرو یہ دعاؤں کی قبولیت کے خاص ایام ہیں اور یہ جلسہ اپنے ساتھ نمایاں طور پر کئی قسم کی برکات رکھتا ہے۔ پھر ہم پر ان لوگوں کی بھی ذمہ داری ہے جو جنگ میں شامل ہیں کہ ہم خاص طور پر ان کے لئے دعائیں کریں۔ اسی طرح یہ بیماریوں کے بھی ایام ہیں اور کثرت سے دوستوں کی طرف سے بیماریوں کے خطوط آ رہے ہیں۔ پس ان ایام کو اپنے نفس پر بوجھ ڈال کر زیادہ سے زیادہ دینی باتیں سننے میں لگاؤ۔ یہ طریق درست نہیں کہ کسی ایک کی تقریر سننے کے لئے تو آپ بیٹھے رہیں اور دوسروں کی تقریریں نہ سنیں۔ مثلاً مَیں آیا تو آپ میری تقریر سننے کے لئے آ گئے یا اَور کوئی دوست ہوُا جس کا لیکچر عام طور پر پسند کیا جاتا ہو تو اس کا لیکچر سننے کے لئے بیٹھ گئے۔ اس کے تو یہ معنے ہیں کہ آپ تقریریں خدا کے لئے نہیں سنتے بلکہ کسی کی وجاہت یا کسی سے تعلق کی بناء پر تقریریں سنتے ہیں۔ حالانکہ کیا پوپلے مُنہ سے خدا کی باتیں نہیں نکل سکتیں؟ ہم نے تو بعض دفعہ بچوں کے مُنہ سے ایسی باتیں سنی ہیں جو ہمارے لئے زندگی بھر کا سبق بن گئی ہیں۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ کے متعلق ہی ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ جو لوگ متقی ہوتے ہیں وہ کس طرح چھوٹی چھوٹی باتوں سے نصیحت حاصل کر لیتے ہیں۔ کہتے ہیں ایک دفعہ حضرت امام ابو حنیفہؒ سے کسی نے کہا آپ تو

ایسے اچھے واعظ ہیں کیا آپ کو بھی کبھی کسی نے نصیحت کی ہے؟ انہوں نے کہا ہاں ایک نصیحت کا میرے دل پر بڑا اثر ہے اور وہ نصیحت بھی ایسی ہے جو ایک چھوٹے سے بچے نے مجھے کی۔ اس نے حیران ہو کر کہا کہ کیا ایک چھوٹے بچے نے آپ کو نصیحت کی تھی؟ انہوں نے کہا ہاں اس نے مجھے نصیحت کی اور ایسی کی کہ وہ مجھے آج تک نہیں بھولتی۔ اس نے پوچھا کہ کیا نصیحت کی تھی؟ اس پر امام ابو حنیفہؒ نے کہا۔ ایک روز سخت بارش ہو رہی تھی، مَیں باہر نکلا اور مَیں نے دیکھا کہ آٹھ دس برس کا ایک لڑکا گلی میں سے دوڑتا چلا جا رہا ہے۔ اُس زمانہ میں چونکہ پکی سڑکیں نہیں ہوا کرتی تھیں اور کیچڑ ہو رہا تھا اس لئے امام ابو حنیفہ کہتے ہیں مجھے ڈر پیدا ہوا کہ کہیں وہ لڑکا گر نہ جائے۔ چنانچہ مَیں نے اسے کہا میاں بچے ذرا سنبھل کر چلو ایسا نہ ہو کہ پھسل جاؤ اور تمہیں چوٹ لگے۔ اس بچے نے میری طرف دیکھا اور کہا امام صاحب میری فکر نہ کیجئے آپ سنبھل کر چلیں۔ مَیں اگر پھسلا تو صرف اپنی جان کو نقصان پہنچاؤں گا مگر آپ پھسلے تو سارے جہان کو نقصان پہنچائیں گے۔

اب اس بچے کا ہمیں نام بھی معلوم نہیں مگر اس میں کیا شبہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ جہاں پھسلے اسی جگہ سارے حنفی پھسل گئے۔ تو بچوں کے مُنہ سے بھی نصیحت کی باتیں سننے میں آ جاتی ہیں۔ اس لئے جو شخص اس طرز پر بیٹھتا ہے وہ خدا کے لئے نہیں بیٹھتا بلکہ صرف اچھی تقریر سننے کے لئے بیٹھتا ہے۔ خدا کے لئے وہی شخص بیٹھتا ہے جو اس خیال میں رہتا ہے کہ مجھے جہاں سے بھی اچھی چیز ملے گی مَیں اسے لے لوں گا۔ رسول کریم ﷺ بھی فرماتے ہیں کَلِمَةُ الْحِكْمَةِ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ اَخَذَهَا حَيْثُ وَجَدَهَا [4] یعنی حکمت کی بات مومن کی گمشدہ اونٹنی ہوتی ہے وہ جہاں بھی اسے نظر آتی ہے اس کو پکڑ لیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ میری اپنی چیز ہے کسی اَور کی نہیں۔ تو مومن کو ہمیشہ دین کی باتیں سننے کی طرف توجہ رکھنی چاہئے۔ یہ نہیں دیکھنا چاہئے کہ کون سنا رہا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انسانوں سے تعلقات بھی ہوتے ہیں مگر بہرحال وہ دوسرے نمبر پر ہوتے ہیں۔ پہلا نمبر

خدا کا ہی ہے اور اسی کی باتیں سننے کے لئے آپ سب دوست یہاں اکٹھے ہوئے ہیں۔ آخر سوچنا چاہئے کہ ہمارا یہ جلسہ تین دن کیوں ہوتا ہے۔ اگر صرف میری تقریریں سننا ہی کافی تھا تو تین دن جلسہ رکھنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ اتنا ہی کافی تھا کہ ایک دن جلسہ کر لیا جاتا اور اس میں مَیں یا آئندہ جو خلیفہ ہو وہ تقریر کر دیتا مگر ایسا نہیں بلکہ تین دن جلسہ رکھا گیا ہے اور اس میں حکمت یہی ہے کہ مختلف دماغوں سے مختلف باتیں نکلتی ہیں اور سب سے مشترکہ طور پر دوستوں کو فائدہ پہنچانا مدنظر ہوتا ہے۔ پس وہ دوست جو خطبہ سن رہے ہیں اس امر کو اچھی طرح یاد رکھیں کہ یہ دن سال میں صرف تین ہوتے ہیں ان کو اس طرح مضبوطی سے پکڑنا چاہئے جس طرح ایک پھسلنے والی مچھلی کو پکڑا جاتا ہے، جس طرح مچھلی اگر پھسلے تو فوراً دریا میں چلی جاتی ہے اسی طرح اگر یہ تین دن ضائع ہو گئے تو سمجھ لو کہ تمہارا سارا سال ضائع ہو گیا۔ کیونکہ بہت لوگ ایسے ہیں جنہیں سال میں صرف ایک دفعہ قادیان آنے کا موقع ملتا ہے اور ان دنوں کے ضائع ہونے کا ان کے سارے سال پر اثر پڑتا ہے۔ پس دوست اس بات کو خود بھی یاد رکھیں اور جو دوست یہاں نہیں ان سے بھی جب ملیں تو انہیں سمجھائیں یہاں تک کہ ہماری جماعت کا ہر فرد اس سے آگاہ ہو جائے اور ان تین دنوں میں ہر شخص اپنے اوپر موت وارد کر کے خدا کے دین کی باتیں سننے کے لئے بیٹھا رہے۔ مَیں نے پہلے بھی کئی دفعہ سنایا ہے کہ مولوی اسماعیل صاحب چِٹھی مسیح والے جو پنجابی زبان کے بہت بڑے شاعر تھے، وہ ایک دفعہ مجھ سے ملنے کے لئے آئے اور کہنے لگے آپ تقریر چھوٹی کیا کریں۔ مَیں نے کہا لوگ تو کہتے ہیں کہ مَیں تقریر اَور بھی لمبی کیا کروں اور آپ کہتے ہیں مَیں تقریر چھوٹی کیا کروں۔ یہ کیا بات ہے۔ وہ کہنے لگے کہ میرے جیسے تو آپ کی تقریر میں بیٹھے بیٹھے مر جاتے ہیں۔ ان کو سلسل البول کی بیماری تھی اور پانچ پانچ سات سات منٹ کے بعد ان کو پیشاب کی حاجت محسوس ہوتی تھی۔ وہ کہنے لگے جب مَیں آپ کی تقریر سننے کے لئے بیٹھتا ہوں تو خیال کرتا ہوں کہ یہ بات جو آپ کہہ

رہے ہیں بڑی اچھی ہے اسے آپ ختم کر لیں تو اٹھوں گا مگر جب آپ اس بات کو ختم کرتے ہیں تو دوسری بات شروع کر دیتے ہیں اور وہ بھی بڑی اچھی ہوتی ہے۔ پھر مَیں کہتا ہوں یہ بات بڑی اچھی ہے اسے بھی سن لوں جب یہ ختم ہو گئی تو اُٹھ کر چلا جاؤں گا مگر اس بات کے ختم ہونے کے ساتھ ہی آپ اَور بات شروع کر دیتے ہیں اور وہ بھی بڑی اچھی ہوتی ہے۔ مَیں پھر اپنے دل میں کہتا ہوں کہ یہ بات بھی سن لوں مگر اس کے بعد آپ اَور بات شروع کر دیتے ہیں اور وہ بھی اتنی اچھی ہوتی ہے کہ اٹھنے کو جی نہیں چاہتا۔ اسی طرح بیٹھے بیٹھے پانچ گھنٹے گزر جاتے ہیں۔ پھر پنجابی میں کہنے لگے "میرا تے پوٹہ پاٹن لگدا ہے" یعنی میرا تو بیٹھے بیٹھے مثانہ پھٹنے لگتا ہے۔

پس اگر اس قسم کی بیماری والا انسان پانچ پانچ گھنٹے بیٹھ سکتا ہے تو تندرست اور مضبوط نوجوان جن کو کوئی بھی بیماری نہیں ہوتی وہ کیوں نہیں بیٹھ سکتے۔ بے شک یہ ایک ہلکی سی قربانی ہے مگر اس قربانی کے مقابلہ میں تم اُن لوگوں کو بھی تو دیکھو جو آجکل جنگ کے میدان میں سخت سردی کے موسم میں کھائیوں میں بیٹھے رہتے ہیں اور بعض دفعہ ان کے گھٹنوں گھٹنوں تک پانی ہوتا ہے مگر انہیں پلٹ کر کسی اَور طرف دیکھنے کی بھی اجازت نہیں ہوتی۔ یہی حکم ہوتا ہے کہ دشمن کو دیکھو اور مارو اور بعض دفعہ تو پانچ پانچ سات سات دن تک وہ اسی طرح بیٹھے رہتے ہیں۔ پس اگر دنیا کے لئے لوگ اس قدر تکلیفیں اٹھا سکتے ہیں تو دین کے لئے صرف تین دن چند گھنٹوں کے لئے بیٹھ جانا کونسی بڑی قربانی ہے۔ ایسے موقعوں پر تو جیسے مولوی اسماعیل صاحب نے کہا تھا خواہ کس قدر تکلیف پہنچے اور خواہ جسم شدتِ تکلیف کی وجہ سے پھٹنے لگے پھر بھی کوشش یہی کرنی چاہئے کہ انسان اپنی جگہ پر بیٹھا رہے اور تقریروں کو توجہ سے سنتا رہے۔ مگر مَیں نے دیکھا ہے جو لوگ ادھر ادھر پھر رہے تھے وہ بالعموم بوڑھے نہیں تھے بلکہ نوجوان تھے اور ان کی کوئی ایسی اغراض نہیں ہو سکتیں جو مجبوریاں کہلا سکیں۔ پس ان دنوں سے فائدہ اٹھاؤ اور کوشش کرو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف

سے تمہیں زیادہ سے زیادہ برکات حاصل ہوں۔" (الفضل 3 جنوری 1942ء)

1 الفاتحہ:5

2 ترمذی کتاب الزھد باب فی التوکل علی اللّٰہ

3 بخاری کتاب الاعتصام باب مَا ذکر النَّبِیّ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حَضّ عَلٰی اِنْفَاقِ اَھْلِ الْعِلْمِ (الخ)

4 ترمذی ابواب العلم باب مَا جَاءَ فِیْ فَضْلِ الْفِقْهِ عَلَی الْعِبَادَةِ میں یہ الفاظ ہیں۔ اَلْکَلِمَةُ الْحِکْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ حَیْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ اَحَقُّ بِهَا۔